التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۵، شمارہ ۵، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۱ء

نفاذ شریعت کے قرآنی اصول

ڈاکٹر زاہد علی زاہدی

In this article the Quranic principles for the enforcement of Shariah has been discussed in length with the help of Quranic verses. Seven stages have been mentioned for the enforcement of Shariah laws in any society. The first step is the legitimacy of the person who is going to enforce Shariah laws. Sometime this legitimacy is called Wilaya and the person who posses this wilaya is called wali. The next step is Dawa which means to offer the people to accept Shariah laws and the next step is the acceptance of dawa by the people which is also called eman. When a group of people declares eman (faith), it has to go through a process of purification of soul i.e. tahzeeb-e-nafs or tazkia. Simultaneously or just after tazkia, taleem (education) is started and when the people becomes educated (well aware) then the process of enforcement of Shariah laws begins. Shariah is not imposed by punishments. Punishments are for those few people who deviate

from the right path and commits social crimes despite of the acceptance of the supremacy of Shariah laws. All these stages need continuous study and research which is called ijtehad. For ijtehad basic policies of Quran and Sunnah should be same but strategies could be changed as per requirements of the time. In this way Shariah laws can also be made as international laws.

اس بات میں تو کوئی کلام نہیں کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح فقط عقائد اور اخلاقی تعلیمات کا نام نہیں ہے بلکہ ایک نظام زندگی ہے۔ ایک ایسا نظام زندگی جس میں زندگی کے تمام شعبوں کے لیے رہنمائی موجود ہے۔ البتہ جس چیز کو ہم اسلامی نظام زندگی سے تعبیر کرتے ہیں وہ کوئی بنا بنایا نظام نہیں ہے کہ جس کو نافذ کر دیا جائے بلکہ ہدایات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کی روشنی میں ہر دور کے اہل علم و ہنر سیاسی و اقتصادی نظام وضع کرتے رہیں گے اور اگر معاشرے کی شکل وہ ہو جائے جو اکیسویں صدی میں ہو چکی ہے یعنی معاشرے مختلف اکائیوں میں تقسیم ہو چکا ہو تو پھر ہر خطہ زمین کے لیے الگ الگ نظام وضع کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ یہ خود ایک موضوع ہے جو اس وقت زیر بحث نہیں ہے۔ جو چیز اس وقت زیر بحث ہے وہ یہ کہ جب یہ نظام وضع کیا جائے گا تو اس کا نفاذ کیسے ہوگا؟

بعض اہل علم نے اس چیز پر زور دیا ہے کہ اسلام تدریج کا قائل ہے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام انقلاب چاہتا ہے۔ یہ بحث بھی بہت طویل ہے تاہم اس کا خلاصہ اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ تدریج اور انقلاب کا تعلق اسلام کے مزاج سے نہیں بلکہ معاشرے کے مزاج سے ہے۔ بنیادی طور پر اسلام تبدیلی چاہتا ہے، کبھی کوئی معاشرہ اس نوعیت کا ہوتا ہے کہ اس میں اصلاح کا عمل تدریجی طور پر انجام دیا جاتا ہے اور کبھی کوئی معاشرہ انقلاب کے دہانہ تک پہنچ جاتا ہے اور یکلخت ایک بڑی تبدیلی کا متحمل ہوتا ہے۔ زیر بحث موضوع یہ ہے کہ تبدیلی کے عملی

بنیادیں کیا ہے؟ ہم ان بنیادوں کو سات اصول کا نام بھی دیتے ہیں۔ اس طرح سات مراحل یا سات اصول کی روشنی میں اس پورے عمل کو نتیجے تک پہنچانے کا عمل مکمل کیا جاسکتا ہے۔ یہ اصول قرآنی آیات سے اخذ کیے گئے ہیں البتہ قرآن کریم نے اس کو اس ترتیب سے بیان نہیں کیا تاہم اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ اہم کام کسی نہ کسی ترتیب کا متقاضی تو ہے۔ اس کی تائید سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ہوتی ہے اور آپ کی زندگی ہمارے لیے اسوہ کامل ہے پس اس سے بہتر ماڈل اور کیا ہوسکتا ہے؟

اصل اول: مشروعیت

اسلام چونکہ ایک دین ہے اور شریعت اس دین کی عملی صورت۔ پس دین وشریعت صرف اسی نظام کو کہا جائے گا جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہو۔ عقل، سائنس، تاریخ، اجماع، قیاس وغیرہ اس دین اور شریعت کی تشریح واستنباط کے لیے تو استعمال ہوسکتے ہیں تاہم اصل دین وشریعت منزول من اللہ ہے اور یہ ایک بنیادی نکتہ ہے۔ دوسری اہم نکتہ یہ ہے کہ دین وشریعت چونکہ خدا کے نظام کا نام ہے لہٰذا اس سے مصدق ہونے کے لیے ولایت ضروری ہے۔ ہر کس وناکس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ دین وشریعت کے معاملات اپنے ہاتھ میں لے خواہ یہ معاملہ قرآن کریم میں لکھا ہوا ہی کیوں نہ ہو۔ مثال کے طور پر قرآن کریم میں چور کے لیے حکم ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اب اگر کوئی انسان کسی چور کو رنگے ہاتھوں پکڑ لے تو کیا وہ اس کے ہاتھ کاٹ سکتا ہے؟ جی نہیں، وہ قرآن کے اس حکم پر عمل کرنے کا مجاز نہیں ہے بلکہ یہ کام قاضی کا ہے اور وہ اس کا مجاز ہے۔ بالکل اسی طرح شریعت کے تمام معاملات کے لیے ولایت (اختیارات) ضروری ہے۔ قرآن کریم اس سلسلے میں بیان کرتا ہے کہ کن لوگوں کو حق ولایت حاصل ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ **(۱)** بے شک تمہارا ولی وسرپرست صرف اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور اہل ایمان میں سے وہ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

اصل دوم: دعوت

نفاذ شریعت کا دوسرا بنیادی اصول دعوت ہے۔ شریعت چونکہ اللہ کا وہ نظام ہے جو انسان کی فلاح کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نازل کیا ہے لہٰذا لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی جائے گی بالکل اسی طرح جس طرح انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی قوموں کو دعوت دی۔ جب بات دعوت کی ہوتی ہے تو یہ واضح ہے کہ دعوت ہمیشہ محبت اور عاجزی کے ساتھ دی جاتی ہے۔ قرآن کریم نے انبیاء کو ہادی قرار دیا ہے اور خود قرآن بھی کتاب ہدایت ہے۔ عربی میں تحفہ کو ہدیہ کہتے ہیں کیونکہ یہ محبت کے ساتھ کسی کی خدمت میں کوئی چیز پیش کرنے کو کہتے ہیں پس ہدایت سے مراد ہے محبت کے ساتھ رہنمائی کرنا۔ نفرت کے ساتھ، عداوت کے ساتھ، بغض کے ساتھ، توہین آمیز رویہ کے ساتھ نہ ہدایت ہوسکتی ہے اور نہ دعوت۔ جب ہم اپنے گھر کی کسی تقریب میں کسی کو دعوت دیتے ہیں تو عاجزی وانکساری کے ساتھ دیتے ہیں لیکن جب اللہ کے راستے کی طرف دعوت دیتے ہیں تو وہ عاجزی، انکساری اور محبت کہاں چلی جاتی ہے؟ قرآن کریم نے نہایت واضح الفاظ میں دعوت کے اسلوب کو بیان کیا ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ **(۲)**

اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجئے حکمت کے ساتھ اور اچھی نصیحت کے ساتھ۔ اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے یقیناً آپ کا رب اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی پورا واقف ہے۔

اصل سوم: قبولیت

دعوت کے ساتھ ہی دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے اور وہ ہے قبولیت کا۔ ضروری نہیں کہ ہر دعوت کو شرف قبولیت حاصل ہو۔ ادیان برحق کا کام دعوت دینا ہے قبول کرنا اور نہ کرنا فریق ثانی کا کام ہے۔ جب تک ایجاب وقبول کا یہ مرحلہ طے نہیں ہوجاتا نفاذ قانون کی بات نہیں ہوسکتی۔ جب تک کسی معاشرے کے لوگ اس بات کے قائل نہیں ہوجائیں گے کہ جس نظام کی دعوت دی جارہی ہے وہ ان کے لیے مفید ہے اس وقت تک اس کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں گے۔ اب یہ بات ہادی اور داعی پر منحصر ہے کہ وہ کس طرح اپنے پیغام کو مؤثر انداز میں پہنچاتے

ہیں اور امت کو قائل کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ کسی معاشرے میں تربیت کے نقدان کے سبب یا کسی معاشرتی جبر کے تحت لوگ حق کی دعوت کو قبول کرنے سے گریزاں ہوں پھر بھی جب تک انہیں قبولیت پر مائل نہیں کیا جاتا نفاذ ناممکن ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا مطلب ہے طاقت و قوت حاصل کرنا تاکہ طاقت کے زور پر اسلامی قوانین کا نفاذ ممکن ہو سکے وہ غلط فہمی کا شکار ہے۔ اسلام تو کجا کسی اور نظام یا قوانین کو بھی اگر بالجبر نافذ کیا جائے گا تو اس کی مدت زیادہ طویل نہیں ہوگی۔ اس بات کی طرف اشارہ قرآن کریم کی اس آیت میں ہوا ہے:

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ **(۳)**

دین کے بارے میں کوئی جبر نہیں، ہدایت ضلالت سے روشن ہو چکی ہے اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کرے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

دین میں کوئی جبر نہیں سے مراد دین کی قبولیت میں جبر نہیں۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ دین یا اسلام یا شریعت جن چیزوں کی قبولیت کا طالب ہے اس میں اصلاً جبر ممکن نہیں ہے۔ مثلاً دین کی بنیاد توحید ہے جس کا تعلق انسان کی فکر سے ہے جب تک کوئی شخص عقیدہ توحید کا قائل نہ ہو جائے وہ موحد بن نہیں سکتا۔ بالجبر کسی کو توحید کا قائل نہیں بنایا جا سکتا۔ یہی حال عبادات کا ہے۔ عبادات کے لیے اللہ کی رضا و خوشنودی کی نیت ضروری ہے۔ جب تک کوئی شخص خلوص کے ساتھ اللہ کے وجود کا اقرار نہ کرے وہ اللہ کی رضا کے لیے عبادت کر نہیں سکتا۔ پس دین میں زبردستی نہیں ہے سے مراد دین کی قبولیت میں زبردستی نہیں ورنہ جو شخص ایک مرتبہ دین کو حقیقت سمجھ کر قبول کرلے تو اس کے بعد احکام الٰہی کی پابندی میں وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ دین میں جبر نہیں ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ دین و شریعت کو امت کے سامنے پیش کرنا ادیان برحق کا کام ہے اور اس کو قبول کرنا امت کا کام ہے جب تک یہ دونوں مراحل یعنی ایجاب و قبول طے نہیں پا جاتے اس وقت تک دین کا نفاذ ممکن نہیں۔

اصل چہارم: تزکیہ

نفاذ دین کا چوتھا مرحلہ امت کا تزکیہ نفس ہے۔ جس معاشرے میں ایک عادلانہ اور صالح نظام کا نفاذ پیش نظر ہے اس معاشرے کا پاک و پاکیزہ ہونا نہایت ضروری ہے۔ جب تک معاشرہ اور معاشرتی اکائیاں یعنی افراد معاشرہ تربیت یافتہ نہیں ہوں گے اچھے قوانین کا نفاذ ممکن نہیں ہوگا یا کم از کم موثر نہیں ہوگا۔ اگر کوئی معاشرہ مختلف نوعیت کی برائیوں میں ملوث ہو مثال کے طور پر ایک ایسا معاشرہ جو بدعنوان (کرپٹ) ہو تو ایسے معاشرے کو پہلے اس بدعنوانی سے نجات دلائی جائے گی۔ البتہ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ افراد پر کام کرتے ہیں۔ پہلے فرد کو دعوت حق دیتے ہیں، جب وہ قبول کرتے ہیں تو ان کا تزکیہ نفس کرتے ہیں اور انہیں ہر طرح کی برائیوں سے پاک کرتے ہیں۔ پھر ایک پاکیزہ افراد پر مشتمل معاشرہ قائم ہوتا ہے پھر کہیں جا کر اس پاکیزہ معاشرے کے لیے پاکیزہ قوانین نافذ کیے جاتے ہیں۔ ہمارے دینی جماعتوں کے رہبروں کو یہ ماڈل اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ صرف طاقت کے حصول یا اقتدار کی کرسی کے حصول کے ذریعے نفاذ شریعت ممکن نہیں اگر کر بھی دیا جائے تو دیرپا نہیں ہوتا۔ قرآن کریم تو رسول اکرم ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد ہی تزکیہ نفس قرار دیتا ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ **(۴)**

وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اصل پنجم: تعلیم

تزکیہ نفس کے بعد کا مرحلہ تعلیم کا ہے۔ جاہل معاشرے میں قوانین الٰہیہ کا نفاذ مطلوبہ نتائج نہیں دے سکتا۔ ضروری ہے کہ لوگ تعلیم یافتہ ہوں۔ البتہ تعلیم سے کیا مراد ہے؟ یہ اہم سوال ہے۔ تعلیم سے مراد افراد معاشرہ کے شعور کو بلند کرنا ہے تاکہ وہ اپنے نفع و ضرر کو سمجھ سکیں اور خود کو اس نظام کے مطابق ڈھالنے کے لیے تیار ہو جائیں جس کے تحت وہ کمال کی

منزلوں کو بخوبی طے کرسکیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے تعلیم کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ جاہل معاشرہ کبھی بھی اپنی اچھائی اور برائی کو سمجھ نہیں سکتا اور جاہل معاشرے کو کوئی بھی فاسق و فاجر اپنے مذموم مقاصد میں استعمال کرسکتا ہے لہٰذا انبیاء علیہم السلام ہمیشہ شعور کی بلندی کی باتیں کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے بنی اسرائیل کا ذکر کرتے ہوئے عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ جیسے ہی بنی اسرائیل دریائے نیل سے پار اترے تو انہوں نے ایک قوم کو بت پرستی کرتے دیکھا تو کہنے لگے:

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا کَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ **(۵)**

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا اور وہ ایک قوم کے پاس آئے جو اپنے اصنام کی عبادت میں بڑے انہماک سے مشغول تھی، تو انہوں (بنی اسرائیل) نے کہا اے موسیٰ ہمارے لئے بھی کوئی معبود بنادے جیسے کہ ان کے معبود ہیں۔ اُس (موسیٰ) نے کہا۔ واقعی تم ایک جاہل قوم ہو۔

موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ یہ کیا مشرکانہ باتیں کررہے ہو بلکہ کہا کہ تم تو جاہل قوم نکلے۔ گویا جہالت سو برائیوں کی ایک برائی ہے اور شرک بھی جہالت ہی کی پیداوار ہے۔ پس ایک صالح معاشرے کے قیام کے لیے تعلیم نہایت ضروری ہے۔

اصل مفہوم: تشکیل معاشرہ

اب جبکہ پانچ مراحل طے ہوچکے یعنی ایک ہادی برحق نے دعوت دی، امت نے قبول کرلیا اور ان کا تزکیہ نفس ہوچکا اور تعلیم بھی جس قدر ضروری تھی ہوچکی تو رفتہ رفتہ معاشرے میں اچھے لوگوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا جائے گا اور بالآخر معاشرے میں اچھے لوگ زیادہ اور برے لوگ کم ہوجائیں گے تو اس طرح اچھے لوگوں پر مشتمل ایک صالح معاشرہ خود بخود قائم ہوجائے گا۔ اسی صالح معاشرے کو اچھے قوانین کی ضرورت ہوگی۔ ایسے میں شریعت نے جن قوانین کو متعارف کرایا ہے اس کی روح کے مطابق اس کا نفاذ ممکن ہوگا۔ البتہ یہاں یہ بات بھی

پیش نظر رہے کہ شریعت نے بنے بنائے قوانین نہیں دیئے بلکہ قوانین کے کچھ نمونے دے دیئے ہیں اور کچھ اصول و قواعد و ضوابط بنادیئے ہیں جن کی روشنی میں زمانے کے تقاضے کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے قانون سازی کا اختیار ان صاحبان فہم و ذکی کو دیا ہے جو شریعت کی روح کو بھی سمجھتے ہیں اور زمانے کے تقاضے سے بھی واقف ہیں۔ اسی کو اجتہاد کہتے ہیں۔ یہ وہ سلسلہ ہے جو ہر دور میں جاری و ساری رہنا چاہئے تاکہ ہر زمانے کے تقاضے کے مطابق قانون سازی بھی ہوتی رہے البتہ شریعت کی روح ان قوانین میں باقی رہیں۔ قرآن کریم اسی روح کو اس طرح بیان کرتا ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ(۶)

ایسے لوگوں کو ہم زمین پر اقتدار بخشتے تو وہ صلوٰۃ قائم کرتے۔ زکوٰۃ ادا کرتے۔ نیکی کا حکم دیتے۔ اور برائی سے روکتے۔ اور تمام اُمور کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

یہاں نماز اور زکوٰۃ سے مراد یہی ہے کہ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل جس میں نماز اور زکوٰۃ کی روح پائی جاتی ہو مثلاً نماز کی روح یعنی صفائی، پاکیزگی، وقت کی پابندی، ایک امام کی اطاعت وغیرہ اور زکوٰۃ کی روح یعنی معاشرتی ہم آہنگی، ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ اور اپنے مال میں دوسرے کے حق کا خیال رکھنا وغیرہ۔ اسی طرح معاشرے پر ایک سوشل چیک رکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ معاشرہ جتنی مشکلات کے بعد ایک صالح معاشرے میں تبدیل ہوا ہے کہیں کچھ نفس پرست اور مفاد پرست عناصر اس کو دوبارہ اسی برائیوں کے دلدل میں نہ دھکیل دیں۔ لہٰذا برائیوں کو روکنا اور نیکیوں کو فروغ دینا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ دیکھا جائے تو اسلام میں سزاؤں کا نظام بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ہی ایک حصہ ہے۔ سزاؤں کے ذریعے قوانین کا نفاذ مقصود نہیں ہے۔ آج بھی کچھ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ قوانین کو سزاؤں کے ذریعے نافذ کیا جائے گا۔ قوانین تو ایسے پُرکشش ہونے چاہئیں کہ لوگ خود بخود اس کی پابندی کریں البتہ وہ مٹھی بھر عناصر جو صحیح تربیت نہ ہونے کے سبب اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان سزاؤں کے ذریعے تربیت کی جائے تاکہ وہ بھی کمال کے اس سفر میں شریک ہوجائیں۔ البتہ

کچھ ایسے لوگ بھی ہر معاشرے میں ہوتے ہیں جن کا مقصد ہی معاشرے کو نقصان پہنچانا ہوتا ہے ایسے لوگوں کو عبرت کا نشانہ بنانے کے لیے بھی کچھ قوانین ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے اسلام میں بعض جرائم کی سزا انتہائی سخت رکھی گئی ہے البتہ اس کا تعلق جرم کی نوعیت اور مجرم کی کیفیت سے بھی ہے یہ خود ایک الگ بحث ہے۔

اصل ھفتم : نفاذ قانون

گو کہ نفاذ قانون کے مراحل واضح ہوگئے ہیں تاہم اس آخری مرحلے کو مزید تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت یوں ہے کہ شریعت کے نفاذ کی ایک عالمگیر روح بھی ہے اور وہ ہے دین کی بالادستی۔ بعض لوگ اس محاورے سے ناراض ہوجاتے ہیں کہ دین کی بالادستی کیوں؟ حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام یا شریعت مقدسہ نام ہے الٰہی قوانین کا اور اس کا ماٰخذ ہے وحی الٰہی اور یہ پوری انسانیت کی نجات اور انسان کے تکامل کے لیے خداوند متعال کی جانب سے نازل ہوئے ہیں لہٰذا اس میں ایک عالمگیر فلاح کا تصور پایا جاتا ہے۔ یہ بات اوپر بیان ہوچکی ہے کہ دین کا نفاذ بالجبر نہیں ہوگا بلکہ اس کے لیے قبولیت، تزکیہ اور تعلیم ضروری ہے پس جس طرح ایک شہر، گاؤں یا ریاست میں یہ مراحل طے کیے جائیں گے اسی طرح پوری دنیا میں ایک عالمگیر تحریک کے ساتھ یہی مراحل طے ہوں گے اور بالآخر ایک دور ایسا بھی آئے گا جب دنیا ان قوانین کی حقانیت کو سمجھ لے گی جس کو شریعت کہتے ہیں۔ ایسے میں اگر اسلام کے قوانین عالمی قوانین بن جائیں تو کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟ کیا پوری انسانیت ایک عادلانہ نظام کی تلاش میں نہیں ہے؟ کیا دنیا رفتہ رفتہ ایک نظام کی طرف گامزن نہیں ہے؟ کیا انسان نہیں چاہتا کہ ریاستوں کی سرحدوں سے باہر نکل کر آفاقی ہوجائے؟ اگر ایسا ہے تو پھر اس کے لیے جہاں انسانوں کے بنائے قوانین پر تجربات ہورہے ہیں وہاں شریعت کے نفاذ میں کیا حرج ہے؟ عالمی استعماری قوانین بھی قوموں پر جبر کے ساتھ نافذ کیے جارہے ہیں جس کے سبب انسانیت ظلم و جبر کی چکی میں پس رہی ہے اگر واقعی انسان کی فکری تربیت ہوجائے اور الٰہی قوانین میں پناہ تلاش کرنے میں کامیاب ہوجائے تو اس سے اچھی کیا بات ہوسکتی ہے۔ اسی کی پیشین گوئی قرآن کریم نے کی ہے:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (۷)

وہ وہی ذات (اقدس) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اُسے دین پر غالب کرے، اگرچہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔

حوالہ جات

(۱) سورہ مائدہ ۵۵　　(۲) سورہ نحل ۱۲۵

(۳) سورہ بقرہ ۲۵۶　　(۴) سورہ جمعہ ۲

(۵) سورہ اعراف ۱۳۸　　(۶) سورہ حج ۴۱

(۷) سورہ توبہ ۳۳

اپنے جواں سال بیٹے **محمد ریحان خان** کی یاد میں،
جو ۲۱ ستمبر ۲۰۱۰ء کو دارِ فانی سے رخصت ہوا۔

تیرے بغیر مری زندگی ادھوری ہے　　بیٹا ہو حشر کہ ملنا بہت ضروری ہے
کسے خبر تھی کہ تو اس طرح سے جائے گا　　شباب آتے ہی ابا★ سے روٹھ جائے گا
تو مری جان نہیں، جان سے بھی پیارا تھا　　فقط تری تھی، مگر جان میں بھی ہارا تھا
میں تری یاد کے صحرا کا وہ مسافر ہوں　　بھلا کے شہر، بھٹکنے کو دل سے حاضر ہوں

★میرا بیٹا اپنے مخصوص انداز و آہنگ میں مجھے "ابا" کہا کرتا تھا، جس کی لذت سب سے الگ ہوتی تھی، جبکہ دوسرے بچے مجھے ابا نہیں، ابو کہتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد شکیل اوج

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۵، شمارہ ۵، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۱ء

عہد رسالت ﷺ میں ابلاغ کا عمل

ڈاکٹر سید وحید الرحمٰن

ABSTRACT

Mankind has another fundamental need beyond the physical requirements of food and shelter, the need to communication with our fellow human beings. This urge for communication is a primal one and , in our contemporary civilization, a necessity for survival. The Islamic ideal is reflected in the development of Islamic law that compasses both the relationship between human being and God as well as relationship among human beings. Islam provide a normative system in which religion is viewed as major stimulus to every aspect of development. Communication in Islam is seen as a gift of God as an essential skill for the development and growth of the individual and self and society as well as its various institutions.

Islamic philosophy of communication, also comes to the forefront during the lifetime of the Prophet

Mohammad (Peace be upon him) and Sahaba-e-Karam (RA) (companions of the prophet) when transcribing and narrating the sayings of the Holy Prophet Therefore, with respect to this, in many books of the Hadith, there are so many specific verses on the basis of which it can be said that during that period there was a very powerful mechanism of communication. This communication applied to various activities and relationships among people that occurred during the daylight hours as well as the night. Through this process in which all the communication skill was used the message of Islam was spread not only for the Arabs of the seventh century it was spread and applicable to all humanity and at all future times. Through this communication mechanism it also show that the public communication of the Prophet is continuously timely and will not fade in popularity or importance and the Prophet Muhammad's communication skills led to spread of Islam.

اطلاعات کی آزادانہ فراہمی اور معلومات کا باہم تبادلہ عہد حاضر کی بنیادی ضروریات میں شمار ہورہا ہے برق رفتار اطلاعاتی ٹیکنالوجی کی بدولت معاشروں میں نئے رویے اور نظریات جنم لے رہے ہیں آج اطلاعات کی آزادانہ فراہمی اور فرد کے جاننے کے حق Right to Know کو ساری دنیا میں بڑی اہمیت دی جارہی ہے اور یہی سبب ہے کہ اقوام متحدہ کے عالمی منشور برائے انسانی حقوق میں اطلاعات کی آزادی کو فرد کو بنیادی حق قرار دیا گیا ہے (۱)۔

اسلامی ریاست و معاشرے کے تناظر میں فرد کے اس بنیادی حق کی اہمیت ،افادیت اور اس کے تحفظ پر غور کیا جائے تو اس حوالے سے قرآن کو ماخذ اول قرار پاتا ہے اور اس کے تحقیقی مطالعہ کی بنیاد پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فرد کے جاننے کے حق اور معلومات تک رسائی کے عمل کے حوالے سے سورہ آل عمران میں سچ وجھوٹ کو خلط ملط کرنے، سچ میں جھوٹ کی آمیزش کرنے اور حقائق کو توڑ مروڑ کر بیان کرنے کے عمل کو ناپسندیدہ قرار دیتے ہوئے اس سے اجتناب کی ہدایت کی گئی ہے(۲) جو اطلاعات کی آزادی ، اطلاعات تک رسائی اور فرد کے جاننے کے حق کے حوالے سے بڑی بنیادی بات ہے اور اسی طرح عہد رسالت ﷺ میں جاننے کے اس حق کے حوالے سے نظر ڈالی جائے تو آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ پہنچادو میری طرف سے اگر چہ ایک ہی آیت ہی ہو(۳) فرد کے اس بنیادی حق کو تسلیم کرنے کے حوالے سے بڑی اہم حدیث ہے اس حدیث میں بیان کردہ حکم پر غور کیا جائے تو یہ بات پتہ چلتی ہے کہ اس حدیث میں پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ ہر فرد کی یہ ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ وہ آپ ﷺ کی اس تک پہنچنے والی ہر بات کو دوسروں تک پہنچائے گا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ ﷺ کے اس حکم کی رو سے ایک ایسی اسلامی ریاست اور معاشرہ کی داغ بیل ڈالی گئی ہے کہ جس میں اطلاعات و معلومات کی فراہمی اور اس تک رسائی ریاست کے ہر فرد کا حق تھی۔ حدیث مبارکہ کا ایک اہم اور قابل ذکر پہلو یہ بھی ہے کہ نہ صرف اس حدیث میں ابلاغ کو بڑی اہمیت دی گئی ہے بلکہ پہنچانے کے اس حکم کا اطلاق صرف مسلمانوں یا اہل کتاب کی حد تک مخصوص ومحدود نہیں ہے بلکہ ہر فرد خواہ وہ کافر ہو مشرک ہو، اہل کتاب میں سے ہو یا کسی بھی نظریے ، فلسفہ ، عقیدے کا ماننے والا ہو قول رسول ﷺ کا اس تک پہنچانے کے حکم کا اطلاق سب کے لیے یکساں شمار ہوگا بالکل اسی طرح یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ یہ حکم کسی خاص مدت، کسی خاص حالت، کسی خاص وقت یا کسی خاص ماحول و مقام کے لیے بھی نہیں تھا بلکہ اس حکم کا اطلاق مستقل بنیادوں پر ہوا اور یہ حکم آج بھی اسی صورت میں موجود ہے جو اس بات کا مظہر ہے کہ اسلامی معاشرے میں فرد تک اطلاع پہنچانے کے حق کو دائمی بنیادوں پر نہ صرف تسلیم کیا گیا ہے بلکہ ہر فرد اطلاعات کو عام کرنے کا فریضہ بھی انجام دے گا۔ جاننے کے اس حق کے حوالے سے

کتب احادیث کے تحقیقی جائزہ کی بنیاد پر صحیح بخاری کی ایک حدیث کو بڑی اہمیت کی حامل ہے امام بخاری نے بخاری شریف کے باب کتاب العلم میں یک طویل حدیث رقم کی ہے چنانچہ وہ اس حدیث شریف میں بیان کرتے ہیں۔

ترجمہ: ہم سے بیان کیا مسدد نے کہا ہم سے بیان کیا بشیر نے کہا ہم سے بیان کیا ابن عنوان نے، انہوں نے ابن سیرین سے، انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ سے، انہوں نے اپنے باپ ابوبکرہ سے، انہوں نے آنحضرت ﷺ کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ اونٹ پر بیٹھے تھے(منیٰ میں دسویں ذی الحجہ کو) اور ایک آدمی اونٹ کی نکیل یا اس کی باگ تھامے تھے۔ آپ ﷺ نے (لوگوں سے) فرمایا یہ کون سا دن ہے۔ ہم لوگ چپ رہے یہاں تک کہ ہم سمجھے کہ آپ ﷺ اس دن کا کچھ اور نام رکھیں گے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ یوم النحر ہے، ہم نے عرض کیا کیوں نہیں یہ یوم النحر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے، ہم چپ رہے یہاں تک ہم سمجھے آپ ﷺ اس مہینہ کا نام ہے اس کے سوا اور کوئی اور نام رکھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ ذوالحجہ کا مہینہ نہیں ہے، ہم نے عرض کیا کیوں نہیں، ذو الحجہ کا مہینہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ایک دوسرے پر اس طرح سے حرام، جیسے تمہارے اس دن کی حرمت، اس مہینہ میں، اس شہر میں، جو یہاں حاضر ہے وہ اس کو خبر کردے جو غائب ہے کیونکہ جو حاضر ہے شاید وہ ایسے شخص کو خبر کردے جو اس بات کو اس سے زیادہ یاد رکھے۔(۴)

بخاری شریف کی بیان کردہ یہ حدیث مبارکہ مسلم(۵) ،ترمذی (۶) مسند امام احمد (۷)، الدارمی (۸) میں مختلف صحابہ کرام سے معمولی ترمیم کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

اس حدیث مبارکہ کے آخری حصہ میں رسول کریم ﷺ کا یہ فرمانا کہ جو یہاں حاضر ہے وہ اس کو خبر کردے جو غائب ہے، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام ایک ایسے فلسفہ ابلاغ کا قائل ہے کہ جس میں معاشرے کے ہر فرد تک اطلاع، علم یا معلومات کو دوسروں تک پہنچانا انتہائی ضروری ہے اور اسی طرح یہاں یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ پہنچا دینے کا یہ حکم مطلق حکم تھا اس میں کوئی استثنیٰ موجود نہیں ہے۔

عہد رسالت ﷺ میں اطلاعات کا از خود/خود کار بہار

عہد رسالت ﷺ میں ابلاغ کا عمل اور ابلاغ کی وسعت پذیری کے حوالے اگر جائزہ لیا جائے تو کتب احادیث کے تحقیقی جائزہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اطلاع کے پھیلاو اور معلومات کی وسعت پذیری کے لیے بھی عہد رسالت ﷺ میں خاص اہتمام موجود تھا جو جامع، مکمل اور متواتر ابلاغ کے فروغ میں بڑا اہم کردار کا حامل تھا چنانچہ اس حوالے سے امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب کتاب العلم میں ایک اہم حدیث نقل کی ہے اس حدیث کے مطابق

ترجمہ: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ محمد (ﷺ) میں فرمایا تو جان رکھ کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ اللہ نے علم کو پہلے بیان کیا اور (حدیث میں ہے) کہ عالم پیغمبروں کے وارث ہیں۔ پیغمبروں نے علم کا ترکہ چھوڑا جس نے علم حاصل کیا اس نے پورا حصہ (اس ترکہ کا) لیا اور حدیث میں ہے کہ جو کوئی علم حاصل کرنے کے لئے رستہ چلے تو اللہ اس کے لئے بہشت کا راستہ آسان کردے گا اور اللہ نے فرمایا (سورۃ فاطر) میں اللہ کو اس کے وہی بندے سمجھتے ہیں جو علم والے ہیں اور فرمایا (سورۃ عنکبوت میں) ان مثالوں کو وہی سمجھتے ہیں جو علم والے ہیں اور فرمایا وہ دوزخی کہیں گے اگر ہم پیغمبروں کی بات سنتے یا عقل رکھتے ہوتے تو (آج) دوزخیوں میں نہ ہوتے اور (سورۃ زمر) میں فرمایا اے پیغمبر ﷺ کہہ دیں کہ کیا جاننے والے نہ جاننے والے دونوں برابر ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل جس کی بھلائی چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ دیتا ہے اور فرمایا علم سیکھنے سے ہی آتا ہے اور ابوذر نے کہا کہ اگر تم تلوار یہاں رکھو اور اشارہ کیا انہوں نے اپنی گردن کی طرف تو اس وقت بھی میں سمجھوں کہ (میری گردن مارنے سے پہلے) میں ایک ہی بات کرسکتا ہوں جو آنحضرت ﷺ سے میں نے سنی تو البتہ میں اس کو سنادوں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا حاضر کو چاہئے کہ غائب کو میرا کلام پہنچادے اور عباس نے کہا کہ تم ربانی بن جاؤ یعنی حلیم، بردبار عالم سمجھ دار۔ بعضوں نے کہا کہ ربانی سے لوگوں کو بڑی باتیں سکھانے سے پہلے چھوٹی چھوٹی دین کی باتیں ان کو سکھا کر تربیت دے۔(۹)

اس حدیث مبارکہ کے حوالے سے ۵ باتیں بڑی اہم بیان کی گئی ہیں جس کے تحت

۱- پیغمبر علیہ السلام کا ترکہ علم ہے۔

۲- عالم یا علم حاصل کرنے والے اس ترکہ کے وارث ہیں۔

۳- جس نے علم حاصل کرنے کی جستجو کی، سفر اختیار کیا، اس کے لئے بہشت کا راستہ آسان ہوا۔

۴- علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے دونوں برابر نہیں ہیں۔

۵- جو حاضر ہے رسول کی بات غیر حاضر کو پہنچادے۔

ابلاغی نقطہ نظر اور اسلامی تصور ابلاغ کے تناظر میں یہاں اس حدیث مبارکہ میں جو سب سے اہم نکتہ بیان ہورہا ہے وہ علم کی وسعت اور اس کے پھیلاو کے حوالے سے بڑا اہم ہے چنانچہ حدیث مبارکہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ اگر کوئی تلوار ان کی گردن پر رکھے اور مرنے سے قبل اگر انہیں کچھ کہنے کی اجازت یا نوبت میسر آئے تو وہ یہ بات سب کے علم میں لائیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو حاضر ہے وہ میرا کلام غائب کو پہنچادے، یہاں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا پوری شد و مد کے ساتھ غائب فرد کو تعلیمات رسول ﷺ پہنچانے کی خواہش کا اظہار اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک آپ ﷺ کی جانب سے دی گئی ہدایات و حکم عام کرنا کتنا اہم تھا اور یقینی طور پر ایسا اس لیے تھا کہ آپ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ صحابہ کرام کو ابلاغ کی ہدایت و حکم دیا تھا۔ یہ عہد رسالت ﷺ میں ابلاغ کی اہمیت اور اس کی ضرورت ہی تھی کہ جس کے تحت ایک جانب جہاں توحید و رسالت اور اسلامی طرز معاشرت سے متعلق احکامات بیان کیے جاتے وہیں آپ ﷺ نے اس کا بھی اہتمام فرمایا کہ دیا گیا پیغام اور معلومات چند مخصوص افراد تک محدود نہ رہے اور ایسا نہ ہو کہ جو محفل رسول ﷺ میں حاضر تھا صرف وہی اس سے آگاہ رہے اور کوئی ایسا فرد جو وہاں موجود نہیں تھا اس تک علم کی بات نہ پہنچے چنانچہ ابلاغ کے عمل کو وسعت دینے کے لیے احکامات و ہدایات کے ساتھ ساتھ یہ بھی حکم دے دیا گیا کہ جو بات سنو اسے دوسروں تک پہنچاو چنانچہ اس حکم کو صحابہ کرام نے اتنی اہمیت دی کہ اگر ان کا کوئی گلا کاٹنے کو تیار ہو اور تلوار ان کی گردن پر ہو اور

انہیں کچھ کہنے کی مہلت ملے تو وہ تعلیمات نبویﷺ اور انﷺ کے ارشادات کو اس موقع پر موجود افراد تک پہنچانے اور اسے بیان کرنا سب سے افضل جانیں۔

دوسری جانب اس جاری بحث کے تناظر میں اس حدیث مبارکہ کے تحقیقی جائزہ کی بنیاد پر یہ بات بھی واضح ہورہی ہے کہ ابلاغ کا یہ طریقہ بنیادی اعتبار سے سینہ بہ سینہ یا منہ در منہ ابلاغ کے دائرہ میں آتا ہے جسکے تحت ہر صحابی رسولﷺ آپﷺ کے ارشادات مبارکہ کو سینہ بہ سینہ عام کرنے کے لیے متحرک رہتا تھا صحابہ کرام کے لئے اس بات کی بڑی اہمیت تھی کہ وہ رسول اللہﷺ کا پیغام ان افراد تک پہنچائیں کہ جو غیر حاضر تھے آج کے ابلاغی معاشرے میں Right to Know کا فلسفہ کے مطابق ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جو بات یا معلومات جاننا چاہے تو اسے ایسا میکنزم اور طریقہ کار موجود ہو کہ اسے مطلوبہ معلومات تک رسائی حاصل ہو اور اسے مکمل معلومات فراہم کردی جائیں (۱۰) اسلامی تصور ابلاغ اور فرد کے جاننے کے حق میں تناظر میں اگر عہد رسالتﷺ کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات پتہ چلتی ہے کہ عہد رسالتﷺ میں آپﷺ نے صحابہ کرام پر لازم کردیا تھا کہ وہ بارگاہ رسالتﷺ سے جو نئی بات، نیا حکم، نئی اطلاع اور نئی معلومات حاصل کریں اسے فی الفور غیر حاضر افراد تک پہنچائیں گویا اس عمل کے ذریعے ایک ایسا میکنزم تشکیل پا گیا کہ اطلاعات کا مسلسل پھیلاؤ ہوتا رہا اور اس کے اس بات کو یقینی بنایا گیا کہ ہر فرد کے لیے ابلاغ کا عمل واضح، مسلسل اور موثر ہو۔

عہد رسالتﷺ میں ہونے والے ابلاغ کے عمل اس کے لیے استعمال ہونے والے طریقہ کار اور اس کی اہمیت و افادیت پر نظر ڈالی جائے تو اس حوالے سے ایک انتہائی معتبر و مستند حدیث سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اس عہد میں سینہ بہ سینہ یا منہ در منہ ابلاغ کا ایک موثر نظام موجود تھا کہ جو اپنی اثر پذیری کے حوالے سے بڑا اہم تھا چنانچہ اس حوالے سے امام بخاری نے بخاری شریف کے باب کتاب العلم میں ایک طویل حدیث رقم کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ: ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا کہا ہم سے غندر (محمد بن جعفر) نے بیان کیا کہا ہم سے شعبہ نے بیان کیا انہوں نے ابوجمرہ سے کہا میں عبد اللہ بن عباس اور بصرے کے لوگوں کے درمیان مترجم تھا، عبد اللہ بن عباس نے کہا عبدالقیس کے بھیجے ہوئے لوگ آنحضرتﷺ

کے پاس آئے۔ آپﷺ نے فرمایا یہ کس کے بھیجے ہوئے لوگ ہیں؟ یہاں کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم ربیعہ والے ہیں۔ آپﷺ نے فرمایا مرحبا ان لوگوں کو یا ان کے بھیجے ہوئے لوگوں کو نہ ذلیل ہوئے نہ شرمندہ۔ وہ کہنے لگے ہم آپﷺ کے پاس دور کا سفر کرکے آئے ہیں اور ہمارے آپﷺ کے درمیان مضر کے کافروں کا یہ قبیلہ آڑ ہے اور ہم سوائے ادب کے اور دنوں میں آپﷺ کے پاس نہیں آسکتے اس لئے ہم کو ایک ایسی بات بتلا دیجئے جس کی خبر ہم پیچھے والوں کو کردیں اور اس کی وجہ سے ہم بہشت میں جائیں۔ آپﷺ نے ان کو چار باتوں کا حکم کیا اور چار باتوں سے منع کیا۔ ان کو اللہ واحد (اکیلے) پر ایمان لانے کا فرمایا، تم جانتے ہو اللہ واحد پر ایمان لانا کس کو کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا اللہ اور رسولﷺ خوب جانتے ہیں۔ آپﷺ نے فرمایا یوں گواہی دینا کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے اور محمدﷺ اس کے بھیجے ہوئے ہیں اور نماز کی درستی کرنا اور زکوٰۃ اور رمضان کے روزے رکھنا، لوٹ کے مال سے پانچواں حصہ داخل کرنا اور ان کو منع کیا کدو کے تونبے اور لاکھی برتن اور روغنی برتن سے، شعبہ نے کہا کہ ابوجمرہ نے کبھی تو کہا اور کریدے ہوئے لکڑی کے برتن سے اور کبھی کہا (مزفت کے بدل) مقیر آپﷺ نے فرمایا اس کو یاد کرلو اور اپنے پیچھے والوں کو اس کی خبر کردو۔ (۱۱)

واضح رہے کہ بخاری شریف کی بیان کردہ یہ حدیث مبارکہ مسلم (۱۲)، ترمذی (۱۳)، نسائی (۱۴)، مسند امام احمد (۱۵)، اور ابوداود (۱۶) پر مختلف صحابہ کرام سے معمولی ترمیم کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں عہد رسالتﷺ میں رائج ابلاغی فلسفہ کے جن بنیادی نکات کی وضاحت ہورہی ہے اس کے تحت یہ بات بڑی واضح ہوتی ہے کہ عہد رسالتﷺ میں ابلاغ کا عمل منہ در منہ یا بین الشخصی کے ساتھ ساتھ تبلیغ در تبلیغ یا گروہ در گروہ بھی ہوا کرتا تھا۔ اس حدیث کے بنیادی اور غور طلب نکات حسب ذیل ہیں:

۱- عہد رسالتﷺ میں ابلاغ کا عمل گروہ در گروہ یا تبلیغ در تبلیغ ہوا کرتا تھا۔

۲- عہد رسالتﷺ میں پیغام کو واضح، عام اور موثر بنانے کے لئے مترجم موجود تھے۔

۳- عہد رسالت ﷺ میں پیغام یا اطلاعات وتعلیمات کو عام کرنے کے لئے سفر کرنے والوں کو آپ نے نہ صرف مبارکباد دی بلکہ ان کے ذلت وشرمندگی سے بچنے کی پیشگوئی اور بشارت بھی فرمائی جس سے ترغیب ملی اور ابلاغ کو عمل وسعت اختیار کرتا گیا۔

۴- تعلیمات کو عام کرنے کے لئے صحابہ کرام نے جانوں کا خطرہ بھی مول لیا اور کفار و مشرکین کے درمیان سے گزر کر اطلاعات کو عام کرنے کے جذبے سے سفر اختیار کیا۔

۵- وفود اطلاعات کو عام کرنے کی نیت سے ہی حاضر ہوا کرتے تھے۔

۶- صحابہ کرام اطلاعات وتعلیمات کو عام کرنے اور ان کو دوسروں تک پہنچانے کے عمل کو بہشت میں جانے کا سبب گردانتے تھے۔

۷- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دی گئی تعلیمات کو یاد کرلو اور لاعلم افراد کو اس کی خبر کردو۔

ان نکات کی بنیاد پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ابلاغ کا عمل براہ راست منہ درمنہ اور ترسیل در ترسیل ہوا کرتا تھا جبکہ ابلاغ کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے اور پیغام کی ماخذ سے منزل تک موثر رسائی کے لئے مترجم بھی موجود ہوتے تھے یہاں یہ امر قابل ذکر ہے آج تمام ابلاغی ماہرین پیغام کے موثر اور قابل عمل ہونے کے لئے پیغام کا واضح اور آسان اور عام فہم ہونا شرط اول قرار دیتے ہیں (۱۷) اس حدیث مبارک میں حضرت شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا کہ میں عبداللہ بن عباس اور بصرے کے لوگوں کے درمیان مترجم تھا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ تعلیمات خداوندی اور ارشادات نبوی ﷺ کی موثر اور عام فہم انداز میں تشریح کے لیے آپ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ مترجم تعینات کیے تھے اور ان مترجم کا بنیادی کام یہی تھا کہ وہ احکامات الٰہی اور ارشادات رسول ﷺ کا ابلاغ ان افراد تک کریں کہ جو عربی سے ناواقف تھے اور یہی سبب ہے کہ جب ابلاغ سادہ، آسان اور عام فہم انداز میں ہوا تو وہ بدو قبائل جو لکھنے پڑھنے سے ناواقف تھے موثر ابلاغ کی سبب اسلام کے قریب آتے گئے۔ دوسری جانب اس حدیث سے یہ بات بھی ظاہر ہورہی کہ عبدالقیس کا وفد کا آنا باضابطہ طور ابلاغ کے فروغ کے حوالے سے تھا یا دوسرے معنوں میں اس وفد نے یہ سفر

صرف اس نیت سے اختیار کیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے پاس پہنچ کر ان سے کچھ تعلیمات حاصل کریں چنانچہ یہی سبب ہے کہ وفد نے اپنے آنے کا جو مقصد بیان کیا ہے اس میں دو باتیں بڑی اہم ہیں اول یہ کہ وہ اس لیے حاضر ہوئے کہ بارگاہ رسالت ﷺ سے علم حاصل کریں اور دوئم یہ کہ واپس جاکر اس علم کا ابلاغ کریں یعنی دوسروں تک اس علم کو پہنچائیں۔ یہ حدیث عہد رسالت ﷺ کے دور کی ابلاغی حکمت عملی اور اس پر عملدرامد کے طریقہ کار کا مظہر قرار دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح اس حدیث مبارکہ میں وفد کے بھجوائے جانے کا ذکر بھی موجود ہے حدیث مبارکہ کے مطابق آپ ﷺ نے استفسار فرمایا کہ کس کے بھیجے ہوئے لوگ ہیں تو کہا گیا کہ یہ عبدالقیس قبیلے کے لوگ ہیں جس سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ اس بات کا خاص اہتمام و ہدایت تھی کہ وہ قبائل جو اسلام لاچکے ہیں وہ تعلیمات کا عام کرنے کے لیے اپنے وفود روانہ کریں آنے والے وفد کا یہ کہنا کہ وہ بھیجے گئے ہیں اس بات کی جانب اشارہ کررہا ہے کہ عہد رسالت ﷺ میں خصوصیت کے ساتھ یہ اہتمام تھا کہ مسلمان قبائل گروہی بنیادوں پر ابلاغ کریں۔

یہاں اس حدیث مبارکہ سے یہ بات بھی واضح ہورہی ہے کہ عہدرسالت ﷺ میں ابلاغ کے لیے باقاعدہ مہم یعنی کمپین کے تحت اطلاعات عام ہوتی تھیں حدیث مبارکہ میں تنہا کسی فرد کے آنے کے ذکر نہیں ہے بلکہ باضابطہ وفد کا ذکر آیا ہے یہ وفد ۵ افراد کو بھی ہوسکتا ہے یا اس سے زائد کا بھی تاہم یہ واضح ہے کہ آنے والے افراد کی تعداد زیادہ تھی یہاں اس حدیث مبارکہ کے مطابق وفد کا یہ کہنا کہ وہ جاکر لوگوں کو علم کی باتیں بتائیں گے اس بات کی جانب اشارہ کررہا ہے کہ یہ تمام افراد جو تعداد میں زیادہ تھے مختلف آبادیوں میں پھیل کر تعلیمات نبوی ﷺ کو عام کرنے کے منصوبہ کے تحت بھی آئے تھے۔ آج کے جدید ابلاغی تصورات کے تحت باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ مختلف افراد کا کسی ایک خاص نقطہ پر ارتکاز اور اس سے متعلق افراد کو قائل کرنے کے لیے ان سے رابطے کرنا، انہیں راغب کرنا مہم کے زمرے میں آتا ہے (۱۸) اور اس حدیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ عہدرسالت ﷺ میں باقاعدہ مہم کے سے انداز میں ابلاغ کا یہ عمل طے شدہ نتائج کے حصول کے لیے کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اسی تناظر